اسلامی بینکاری میں شرکت کا تصور:
مشارکہ اور اس سے متعلق فقہی اشکالات کا تحلیلی جائزہ

محمد ابوبکر صدیق *

ABSTRACT:

Economic objective of Profit maximization, by nature, instigate person's lust for wealth accumulation irrespective of permissible or prohibited means of money making. As a result, a person prefers to make easy money without bearing any troublesome. Interest is easiest way to make money. Therefore, people deals in interest based lending and makes guaranteed profit along with principle amount. Islam prohibits such type of business declarring it riba (interest). However, Islam provides an alternate of it in form of sale and shirkah (partnership). According to shirkah, person can make profit stipulated that he will bear risk of loss on his principle and share loss with his partner. There is no other way to earn profit other than sale and shirkah. In modern Islamic Banking shirkah is being practiced in form of Musharkah. There are many issues regarding conceptual awareness of modern Musharkah, its applications, and newly developed product Diminishing Musharkah. After explaining the shirkah, Diminishing Musharkah is discussed in detail. Finally, this study analyzes and highlights the relative fiqhi issue.

Keywords: Profit, Maximization, Shirkah, Diminishing, Musharkah, Islamic banking.

اسلام دین فطرت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں ہدایت انسانی سے متعلق جتنے بھی احکام ہیں وہ سب کے سب انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ انسان پر ہمیشہ ایک ہی دھن سوار رہتی ہے کہ وہ کس طرح اپنے مال کو ایک سے دو اور دو سے چار کرے۔ اسلام جہاں انسان کی اس جبلّت سے آگاہی دیتا ہے، وہیں مناسب انداز میں انسان کی اس فطری خواہش کی تسکین کا سامان بھی کرتا ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام انسان کی اسی خواہش کو اس کی زندگی کا بنیادی مقصد بنا دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حصولِ زر کی بے لگام خواہش انسان کو حرص و ہوس اور بخل کا اس طرح غلام بنا دیتی ہے کہ وہ کسبِ معاش کے لیے سود، غرر، جوا اور چور بازاری جیسے افعال کو بھی قبیح نہیں سمجھتا اور نفع خوری (Profit Maximization) کی لالچ میں جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز تک کو کھو دیتا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کی ہی کارستانی ہے کہ جس نے انسان کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ایک وہ جو جائز و ناجائز کا خیال رکھے بغیر استحصالی طریقے استعمال کرتے ہوئے سارے وسائل پر مطلق العنان

* لیکچرر، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۵/۴/۳۰ء　برقی پتا: muhammad.abubakar@iiu.edu.pk

بن بیٹھے اور دوسرے وہ جو اپنے بنیادی حقوق تک کے لیے طبقہ اوّل کے یرغمال بن گئے۔ گویا جنہیں ماؤں نے آزاد جنا تھا سرمایہ دارانہ نظام نے اُنہیں غلامی کے قعرِ مذلّت میں دھکیل دیا۔اور یہ اُسی ذھنی غلامی کا ہی اثر ہے کہ آج کا انسان سرمایہ دارانہ نظام کے مقابل کسی اور نظام کے تصوّر کو بھی ایک لطیفہ گردانتا ہے۔اسلامی مالیاتی نظام کے متعلق بھی کئی ایک خدشات کی پیشین گوئی کی گئی کہ اوّل تو یہ نظام چل نہیں پائے گا اور اگر چل گیا تو یہ زیادہ دیر تک کامیاب رہ نہیں پائے گا۔کسی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''بینکاری سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جز ہے جز ہمیشہ کل کے تابع ہوتا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کا اسلام سے متصادم ہونا ظاہر ہے''(۱) لیکن اسلامی بینکاری کا نظام وجود میں آیا جو کہ اب دنیا میں بہت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

اسلام کسبِ معاش کے لیے تجارت کو دوسرے تمام ذرائع معاش پر فوقیت دیتا ہے اور ایسی تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو پاکیزہ ہو اور اس کی بنا اسلامی اصولوں پر استوار ہو۔اسلام تجارت کے لیے ایک مضبوط اور پاکیزہ نظام دیتا ہے۔ جس کے طُرق ہائے تمویل (Modes of Financing) اُن اصول وضوابط کی روشنی میں کام کرتے ہیں جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں اور حق تلفی کی بجائے فریقین کے حقوق کا تحفّظ کرتے ہیں۔اسلامی بینکاری کے تمام افعال انہی طرق ہائے تمویل (Modes of Financing) پر مبنی ہوتے ہیں، تاہم سرِ دست اس مقالہ میں صرف شرکت سے متعلق بحث کی جائے گی۔ اسلامی بینکاری میں شرکت کے اصولوں پر مبنی مشارکہ کے نام سے ایک پروڈکٹ متعارف کرائی گئی ہے جس کی پریکٹس سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں زبان زدعام ہیں کہ مشارکہ میں اسلامی بینک، سودی بینک کی طرح نفع کا تعین کرتے ہیں۔اسلامی بینک میں لین دین کا سارا عمل سودی بینک کی طرح کا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔اِس مقالہ میں شرکت کے اسلامی تصور اور اسلامی بینکوں میں اُس کی صحیح عملی تعبیر کی وضاحت کی جائے گی۔اس کے ساتھ ساتھ مشارکہ کے حوالے سے چند فقہی اشکالات کا تحلیلی جائزہ بھی لیا جائے گا تاکہ شرکت کے اسلامی تصور اور اسلامی بینکوں میں اس کی درست عملی تعبیر واضح ہو سکے۔

شرکت: معنی ومفہوم

امام زیلعیؒ کے نزدیک شرکت کا لغوی معنیٰ ہے ''دو حصوں کا آپس میں اس طرح مل جانا کہ ان کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہ رہے''(۲)۔علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں ''شرکت کا (لغوی) معنیٰ ہے مل جانا اور اس کے ساتھ عقد کا نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ (مل جانا) اُس عقد کا سبب بنتا ہے'' اس کے بعد وہ شرکت کی اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں: اَلشِرکَۃُ عِبَارَۃٌ عَنْ عَقْدِ بَیْنَ الْمُتَشَارِکَیْنِ فِیْ رَأسِ الْمَالِ وَالرِّبح (۳) (شرکت ایسے عقد سے عبارت ہے جس میں فریقین اصل سرمائے اور منافع میں شریک ہوں)۔عصرِ حاضر کے مایہ ناز فقیہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی شرکت کی دیگر تعاریف سے موازنہ کرنے کے بعد اِس تعریف کو ترجیح دیتے (۴)۔قرآن، سنّتِ رسول ﷺ اور اجماعِ امّت کی رُو سے شرکت ایک جائز عقد ہے۔علّامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: لا شكّ أن مشروعيتها اظهر ثبوتا اذ التوارث والتعامل بها من لدن رسول الله ﷺ و هلم جرا لا يحتاج فيه الى اثبات حديث

بعینہ (۵) (شرکت کا جواز شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ شرکت پر زمانہ نبوت ﷺ سے تا حال عمل ہو رہا ہے۔ اس لیے شرکت کا جواز ثابت کرنے کے لیے کسی متعین حدیث کی ضرورت نہیں ہے)۔ فقہا نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک شرکت کا معاملہ معاشروں میں مروّج رہا ہے اور کسی بھی زمانے میں کسی بھی فقیہ یا عالم کی طرف سے اس کا انکار معلوم نہیں ہوا، لہٰذا شرکت کا جواز اجماعِ امت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

شرکت کی اقسام

بنیادی طور پر شرکت کی دو قسمیں ہیں؛ شرکتِ ملک اور شرکت عقد۔

شرکتِ ملک

شرکتِ ملک سے متعلق ڈاکٹر وھبہ زحیلی کہتے ہیں ''دو یا دو سے زیادہ لوگوں کا مجبوراً یا اپنی مرضی سے کسی اثاثے کی ملکیت میں مشترک ہونا شرکتِ ملک کہلاتا ہے۔ اگر یہ اشتراک باہم رضامندی سے ہو تو اِسے شرکتِ ملک اختیاری کہتے ہیں۔ اور اگر یہ اشتراک باہم رضامندی سے نہ ہو جیسے دو یا دو سے زیادہ بھائیوں کو کسی چیز کا وراثت میں اس طرح مل جانا کہ وہ سب اُس کی ملکیت میں شریک ہوں تو اِسے شرکتِ ملک اجباری کہتے ہیں۔ شرکتِ ملک کا بنیادی مقصد نفع کمانا نہیں ہوتا بلکہ مالکان کا اجتماعی یا انفرادی طور پر اثاثے کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ شرکتِ ملک میں شرکاء ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ یعنی ایک شریک کی غیر موجودگی میں دوسرا شریک اُس کے حصے میں کسی قسم کا تصرّف نہیں کر سکتا اور نہ دوسرے شریک پر اُس کی کوئی ذمہ داری ڈالی جا سکتی ہے۔ البتہ ایک شریک اپنا حصہ کسی دوسرے شریک کو اجارہ یا بیع کی بنیاد پر دے سکتا ہے۔ لیکن اگر اثاثہ غیر منقسم (مشاع) نوعیت کا ہو تو کوئی بھی شریک دوسرے شریک یا شرکاء کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ کسی اجنبی کو اجارہ یا بیع کی بنیاد پر نہیں دے سکتا۔ اگر کسی شئے کو ایک شریک استعمال کرتا ہے تو دوسرے شرکاء اُس سے اپنے حصے کا کرایہ وصول کر سکتے ہیں۔'' (۶) شرکاء کے لیے شرکتِ ملک میں ابتداءً شرح نفع کی تعیین لازمی نہیں ہے کیونکہ شرکتِ ملک میں مشترک مال کے مالکانہ حقوق اور نفع کی تقسیم شرکاء کے مال اور حصص کے تناسب سے ہوتی ہے۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے: ''شرکتِ ملک میں منافع شرکاء کے مابین اُن کے حصص کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک شریک مشترک جانور کے دودھ میں اپنے نسبتی حصے سے زیادہ دودھ کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے''۔ (۷) نفسِ مال یا اثاثے کی نوعیت کے اعتبار سے شرکتِ ملک کو دو قسموں: شرکتِ عین اور شرکتِ دَین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ افراد کسی عینی چیز کے مشترکہ مالک ہوں جیسے دو دوستوں نے مل کر ایک گاڑی، گھر یا کوئی بھی چیز خریدی تو اُن دونوں کی یہ شراکت شرکتِ عین کہلائے گی اور اگر وہ عینی چیز ایسی ہو کہ جسے شرکا کے مابین تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو جیسے گاڑی کہ اسے مختلف حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا تو ایسی صورت میں وہ شرکت المشاع کہلائے گی جس کا مطلب ہے دو یا زیادہ شرکاء کا غیر منقسم چیز میں اشتراک۔ اسی طرح اگر دو دوست اگر کسی قابل وصول دَین میں مشترکہ مالک ہوں تو یہ اُن کی شرکتِ دَین کہلائے گی۔

شرکتِ عقد:

احناف کے نزدیک شرکتِ عقد کی تعریف یہ ہے: ''دو یا دو سے زیادہ افراد کی سرمائے اور منافع میں شرکت، شرکتِ عقد کہلاتی ہے''۔(۸) شرکتِ عقد کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے: ''دو یا دو سے زیادہ لوگوں کا وہ عقد جس کے تحت نفع کمانے کی غرض سے وہ اپنے اثاثے، محنت یا ذمہ داریاں ملا لیتے ہیں شرکتِ عقد کہلاتا ہے''۔(۹)

فقہاء نے شرکتِ عقد سے متعلق طویل بحث کی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے: بنیادی طور پر شرکت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک شرکتِ اموال ہے جس میں سارے شریک سرمایہ کی بنیاد پر کسی کاروبار میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے نسبتی حصے کے مُطابق کاروبار میں ملکیت پاتے ہیں۔ دوسری شرکتِ اعمال ہے جس میں افراد اپنے اپنے ہُنر اور فن کی بنیاد پر شرکت کرتے ہیں جیسے دو یا دو سے زائد درزیوں کا باہم مل کر کام شروع کرنا۔ اِسے شرکۃ الصنائع، شرکۃ الابدان اور شرکۃ تقبّل بھی کہا جاتا ہے۔ تیسری شرکتِ وجوہ ہے جس میں افراد اپنی ساکھ (Credibility) یعنی اپنی جان پہچان کی بدولت اُدھار پر مال اُٹھاتے ہیں اور نفع پر بیچتے ہیں۔ اِسے شرکتِ ذمم بھی کہتے ہیں۔ احناف اور حنابلہ شرکت کی اس قسم کو جائز مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک شرکاء طے شدہ تناسب کے مُطابق نقصان برداشت کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے ابتداء میں کوئی تناسب طے نہ کیا تو پھر ہر شریک اپنے لیے ہوئے اُدھار کو خود ادا کرے گا اور جو شرکاء کام کر رہے ہوں گے اُن کو مزدوری یا تنخواہ ملے گی نہ کہ منافع۔ شوافع شرکت کی اس قسم کو ناجائز کہتے ہیں جبکہ مالکیہ مشروط پر جائز تصوّر کرتے ہیں کہ عقد کی ابتداء میں اُدھار پر خریداری اور مُنافع پر اُس کی فروخت کا معاہدہ کرلیا جائے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک شرکت عقد کی مندرجہ بالا ہر قسم شرکتِ مفاوضہ ہوتی ہے یا شرکتِ عنان۔ شرکتِ مفاوضہ جس میں شرکاء سرمائے، عمل، حقوق، نفع و نقصان یا خدمات وغیرہ کے معاملے میں ایک دوسرے کا برابر ہوں جو کہ بہت مشکل ہے۔ اس لیے حنفی فقہاء کے علاوہ دیگر آئمہ میں سے کسی نے بھی شرکت مُفاوضہ کی اجازت نہیں دی۔ شرکتِ عنان ایسی شرکت ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد اِس طرح شریک ہوں کہ اُنکے سرمائے، عمل، حقوق، منافع، نقصان یا خدمات مساوی نہ ہوں۔ شرکتِ ملک کے برخلاف شرکتِ عقد میں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔ لیکن کفیل نہیں ہوتے۔(۱۰) اسلامی مالیاتی اداروں میں تجارتی معاملات عام طور پر شرکتِ عقد (شرکتِ عنان) کے مطابق ہی طے ہوتے ہیں۔

شرکتِ ملک اور شرکتِ عقد میں بنیادی فرق:

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ شرکتِ عقد میں متعاقدین کا مقصد نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے شرکتِ عقد میں شرح نفع کا تعین ضروری ہے۔ اگرچہ شرکتِ ملک کی اقسام کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ تاہم حنفی اور مالکی فقہاء کی کتب میں شرکتِ ملک کی اقسام اور مختلف تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شرکتِ ملک میں متعاقدین کا مقصد نفع کمانا نہیں ہوتا۔(۱۱) اس لیے شرکتِ ملک میں یہ لازمی نہیں ہے کہ شرح نفع کی تعیین پہلے سے کرلی جائے۔ کیونکہ اس میں ہر شریک مشترکہ پراپرٹی

میں اپنے ملکیتی حصے سے متعلق نفع ونقصان کا مالک ہوتا ہے۔دوسرا فرق یہ ہے کہ اثاثے میں تصرّف کے متعلق شرکتِ عقد میں شرکاءایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں لیکن شرکتِ ملک میں شرکاءایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔

شرکتِ عقد کی بنیادی شرائط:

فقہاء نے شرکتِ عقد کی صحت کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں۔جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔(۱۲)

۱۔ شرکتِ عقد کے تمام شُرکاء عاقل و بالغ ہوں۔تمام شُرکاءعقد پر کسی دباؤ کے بغیر باہم رضا مند ہوں۔اس میں دھوکہ،فراڈ اور غرر جیسے عناصر موجود نہ ہوں۔شرکتِ عقد کا رأس المال معلوم اور متعین ہو۔شرکتِ عقد کی ابتداء عقد کی اختتامی مدت کا تعیّن کر دیا جائے۔شرکت کی اس قسم میں شرکاءایک دوسرے کے وکیل ہوں گے۔شرکاء کے لیے نفع کی شرح کا تعیّن کسی دباؤ کے بغیر باہم رضامندی سے ہو۔

۲۔ شرکاء کے نفع کا تناسب زیادہ سے زیادہ اِتنا مقرر کیا جا سکتا ہے جتنا شرکت کے رأس المال (Capital) میں اُن کے سرمائے کا تناسب ہے۔مثلاً ایک شریک کا حصہ عقد کے رأس المال (Capital) کا ۲۰ فیصد ہے تو اس کا نفع زیادہ سے زیادہ کُل نفع کا ۲۰ فیصد ہی مقرر کیا جا سکتا ہے۔اور اگر شریک خدمت بھی سرانجام دے تو اس کے لیے اِس سے زائد نفع مقرر کیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

> ''اگر کاروبار میں سرمایہ دونوں فریقوں کا ہو اور کام صرف ایک فریق کرے اور رأس المال کے تناسب سے نفع آپس میں تقسیم کر لیا جائے اور نقصان کے دونوں فریق ذمہ دار ہوں تو یہ جائز ہے۔اگر کام کرنے والا اپنے رأس المال کے تناسب سے زیادہ نفع کا طالب ہو تو یہ بھی جائز ہے کام کرنے والا جو زائد رقم لے گا وہ بطور مضاربت ہو گی۔''(۱۳)

۳۔ شرح نفع کا تعین کل سرمائے کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ مستقبل میں کمائے جانے والے کل نفع کی بنیاد پر ہو۔مثلاً اگر نفع کا تعین اس طرح کیا کہ ہر شریک کو اُس کے سرمائے کا دس فیصد ملے گا،تو اس سے مشارکہ باطل ہو جائے گا۔نفع کے تعین کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ ہر شریک کو کل نفع کا دس فیصد ملے گا۔(۱۴) شرح نفع کے تعین سے متعلق عامۃ النّاس غلط فہمی کا شکار ہیں۔لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ نفع فِکس کرنا حرام ہے۔اِس بارے میں ایک اصول ہے وہ یہ کہ نفع کی تعیین عقد کے لحاظ سے بدلتی ہے۔اگر عقد کا تعلق بیوع (خرید وفروخت) سے ہے تو کوئی خاص رقم بطور نفع فکس کرنا جائز ہے جیسے یہ کہنا کہ میں یہ چیز بیچوں گا لیکن ۱۰۰ روپے یا کوئی بھی رقم بطور نفع لوں گا۔لیکن اگر عقد کا تعلق شرکت یا مضاربت سے ہے تو پھر کوئی خاص رقم بطور نفع مقرر کرنا حرام ہے خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ شرکت یا مضاربت کے عقود میں شرح نفع کا تعین مستقبل میں ہونے والے نفع کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔

۴۔ کسی شریک کے لیے مال کی ایک معین مقدار بطور نفع مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔مثلاً اگر ایک شریک کہے کہ وہ ہر ماہ دس

ہزار روپے منافع لے گا۔تو یہ ناجائز ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کل نفع ہی دس ہزار ہو تو باقی شرکاء کے حصے میں کچھ بھی نہیں آئے گا۔ یا کل نفع دس ہزار سے کم ہو۔(۱۵)

۵۔ نقصان ہونے کی صورت میں ہر شریک اپنے سرمائے کی حد تک نقصان میں شریک ہوگا۔جیسا کہ کاروبار کے نفع و نقصان کے متعلق علامہ برہان الدین الفرغانیؒ ایک مرفوع حدیث کا ذکر فرماتے ہیں: ''نفع شرکاء کی شرائط کے مطابق تقسیم ہوگا اور نقصان سرمایہ کے تناسب سے برداشت کرنا ہوگا''۔(۱۶)

۶۔ ایک شریک نقصان کی صورت میں پہلے کیے گئے کسی معاہدے کے بغیر اور نقصان کا علم ہونے کے بعد اگر چاہے تو نقصان کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔(۱۷)

۷۔ اگر کوئی شریک کسی دوسرے شریک کے لیے کسی بھی حیثیت (وکیل، مضارب، شریک) سے نقصان کی ذمہ داری لیتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔ بلکہ کسی تیسرے فریق کے لیے بھی نقصان کی ذمہ داری لینا جائز نہیں ہے۔اس ضمن میں عصرِ حاضر کے جیّد فقیہ، شیخ التفسیر والحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مختلف فقہاء (علّامہ حصکفیؒ، علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ ابن نُجیمؒ) کی آراء کی روشنی میں فرماتے ہیں: جب دو فریق کاروبار کر رہے ہوں تو تیسرے فریق کے لیے خواہ وہ حکومت ہو یا انشورنس کمپنی ان کے کاروبار میں اصل مال کی ہلاکت یا نقصان کی ضمانت دینا از روئے شرع جائز نہیں۔(۱۸) لیکن مجمع الفقه الاسلامی الدولی نے ایک قرارداد پاس کی جس کے مُطابق: شرکت کے سارے یا اُن میں سے چند شرکاء کے سرمائے کے نقصان کی تلافی کے لیے کوئی تیسرا فریق گارنٹی دے سکتا ہے۔لیکن اُس کے لیے چند شرائط کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا ہے۔(ا) گارنٹی دینے والے تیسرے فریق کا اُس مشترکہ کاروبار میں کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہو یعنی تیسرا فریق (فرد یا ادارہ) اُس مشترکہ کاروبار کا مالک یا مملوک نہ ہو۔(ب) عقد شرکت تیسرے فریق کی گارنٹی سے اس طرح مشروط نہ ہو کہ اگر تیسرا فریق گارنٹی نہ دے تو عقد شرکت بھی نہ ہو۔(ج) تیسرا فریق اُس گارنٹی کے عوض کوئی فیس یا معاوضہ بھی نہیں لے سکتا۔(۱۹) مختصر یہ کہ تیسرے فریق کی جانب سے پیش کی گئی ضمانت درحقیقت ایک گارنٹی کا وعدہ ہے جو کسی شریک کے لیے استحقاق کی بنیاد نہیں بنتا بایں طور کہ کوئی شریک یہ کہے ''وہ شریک بنا ہی اسی لیے تھا کہ تیسرے فریق نے سرمائے یا منافع کی گارنٹی دی تھی''۔(۲۰)

اسلامی بینکاری میں شرکت کا تصور: مشارکہ

اسلام کے معاشی نظام میں شرکت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسلام کسی بھی صورت میں کسی بھی فریق کی حق تلفی کی اجازت نہیں دیتا۔اسلام اپنے ماننے والوں کو خرید و فروخت کے علاوہ منافع کی صرف ایک ہی صورت تجویز کرتا ہے اور وہ یہی ہے کہ نفع و نقصان کی بنیاد پر انسان اپنے کسی بھائی سے شرکت کا معاہدہ کرلے۔اس کے علاوہ جس طریقے سے بھی وہ منافع کمائے گا وہ ناجائز ہوگا۔عصرِ حاضر میں جدید مالیاتی ادارے اور اسلامی بینک لوگوں کی مختلف کاروباری اور تجارتی ضروریات کو پورا

کرنے کے لیے شرکت کے اصولوں پر مشارکہ کے ذریعے تمویل کی سہولت فراہم کر رہے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مشارکہ عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ شرکہ سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنیٰ '' شریک ہونا'' ہے۔ مشارکہ کی اصطلاح شرکتِ عقد اور شرکتِ ملک دونوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ شرکت کے مقابلے میں مشارکہ کی اصطلاح محدود اور جدید ہے۔ جدید اسلامی مالیاتی اصطلاح میں مشارکہ کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

> '' دو یا دو سے زیادہ افراد سرمائے اور خدمت یا کسی ایک میں اس طرح باہم شریک ہوں کہ تجارتی سرگرمیوں کے مالکانہ حقوق اُن میں مشترک ہوں نیز وہ نفع ونقصان میں بھی شریک ہوں''۔(۲۱)

اسلامی بینکنگ کے تناظر میں ڈاکٹر محمد البلتاجی نے مشارکہ کی تعریف اس طرح کی ہے۔

> '' اسلامی بینک اپنے کلائنٹ کے ساتھ متوقع نفع ونقصان میں شریک ہوتا ہے۔۔۔اور یہ اسلامی بینک اور کلائنٹ میں باہم طے شدہ قواعد وضوابط کی بنا پر ہوتا ہے۔ مشارکہ کے اصول شرکتِ عنان کے قواعد سے ماخوذ ہیں''۔(۲۲)

مصطفیٰ کمال طایل مشارکہ کے متعلق کہتے ہیں: ''مشارکہ سے وہی مقصود ہے جو فقہ اسلامی میں شرکتِ عنان سے ہے۔ صحتِ مُشارکہ کی بنیادی شرائط وہی ہیں جو قدیم فقہاء نے شرکتِ عقد کے لیے مقرر کی ہیں''۔(۲۳)

مشارکہ کی اقسام:

جدید اسلامی مالیات میں مشارکہ کی دو قسمیں ہیں: مشارکہ دائمہ اور مشارکہ متناقصہ۔

ا۔ مشارکۃ الدّائمہ (Permanent Musharakah):

ڈاکٹر وہبہ زحیلی مشارکۃ الدائمہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ''مشارکہ دائمہ میں ہر شریک عقد شرکت سے نکلے بغیر عقد کو باقی رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اِلّا یہ کہ کسی وجہ سے عقد شرکت ختم یا فسخ ہو جائے''۔(۲۴)

۲۔ مشارکہ متناقصہ (Diminishing Musharakah):

جدید مالیات کتب میں مشارکہ متناقصہ کی تعریف یہ کی گئی ہے: ''فریقین کا کسی خاص عینی چیز پر عقدِ شرکت جس میں دونوں شریک اس بات پر متّفق ہوں کہ ایک شریک دوسرے شریک کو اپنا حصہ بتدریج پے در پے عقود بیع کے ذریعے فروخت کرے گا، مشارکہ متناقصہ کہلاتا ہے''۔(۲۵)

مشارکہ متناقصہ اور دائمہ میں فرق صرف ایک چیز پر منحصر ہے اور وہ ہے استمرار اور دوام۔ مشارکہ دائمہ کے شرکاء اس بات کا قصد کرتے ہیں کہ وہ عقد شرکت کو ختم نہیں کریں گے بلکہ ہمیشہ جاری رکھیں گے۔ لیکن نا مساعد حالات یا کسی اور وجہ سے اگر عقد کو ختم کرنا پڑا تو یہ اور بات ہے جب کہ مشارکہ متناقصہ محدود مدت تک کے لیے ہوتا ہے۔ راقم کی معلومات کے مُطابق مشارکہ دائمہ کی

صورت ابھی تک اسلامی بینکوں میں رائج نہیں ہوئی۔ مشارکہ متناقصہ شرکتِ عقد اور شرکتِ ملک دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔

شرکت الملک کی بنیاد پر مشارکہ متناقصہ کا تدریجی عمل:

ذاتی یا تجارتی ضروریات کی بیشتر اشیاء شرکت الملک کی بنیاد پر مشارکہ متناقصہ کے تحت خریدی جاتی ہیں جیسے مکان، مشینری، پلانٹس وغیرہ۔لیکن ذیل میں ہم کثیر الاستعمال پروڈکٹ ہاؤس فنانسنگ کی مثال پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اسلامی بینک اور صارف (Client) باہم مل کر عقدِ مشارکہ کے ایگریمنٹ پر دستخط کرتے ہیں جس کی رُو سے دونوں نے شرکت ملک (اختیاری) کی بناء پر مشترکہ ملکیت قائم کرنا ہوتی ہے۔مشترکہ ملکیت تین طرح سے قائم کی جاسکتی ہے۔(الف) بینک اور صارف دونوں مل کر ایک مکان خریدتے ہیں۔(ب) بینک اور صارف مکان کی تعمیر کے لیے مشترکہ طور پر ایک پلاٹ خریدتے ہیں۔(ج) اگر پلاٹ پہلے ہی صارف کے نام ہو تو بینک کلائنٹ سے پلاٹ کا کچھ حصہ خرید کر پلاٹ کی ملکیت میں شرکتِ مِلک اختیاری کے تحت شریک ہو جاتا ہے۔اور پلاٹ کے خریدے گئے حصے کی قیمت کلائنٹ کو ادا کرتا ہے۔پھر اسلامی بینک اُس مشترکہ پلاٹ پر مکان تعمیر کراتا ہے۔جہاں تک شرکت الملک قائم کرنے کی بات ہے تو وہ مختلف طریقوں سے قائم کی جاسکتی اور فقہاء نے اس بارے میں مختلف امثلہ بیان کی ہیں۔ اِسی طرح علامہ ابن عابدین شامیؒ نے فریقین کے باہم مل کر مشترکہ خریداری کو بھی شرکت الملک میں داخل کیا ہے۔(۲۶)

۲۔ مکان کی مکمل تعمیر کے بعد اسلامی بینک مکان کا اپنا حصہ صارف (Client) کو اجارہ کی بنیاد پر دے دیتا ہے۔اجارہ (Leaseá) کا یہ معاہدہ مشارکہ کے عقد سے الگ بنیاد پر کیا جاتا ہے۔جس میں اہم امور پہلے سے طے کیے جاتے ہیں مثلاً (الف) کرائے کا تعین کس فارمولے کے تحت ہوگا۔(ب) کرائے کی ادائیگی کب اور کیسے کی جائیگی؟ (ج) اجارہ (Lease) کی مدت کتنی ہوگی؟

۳۔ اسلامی بینک اپنے حصے کو مختلف اجزاء (Units) یا حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔پھر بینک یا کلائنٹ مرابحہ مؤجلہ (یعنی قیمت کی ادائیگی طے شدہ نفع کے ساتھ قسطوں میں ہوگی) کی بنیاد پر یونٹس بالترتیب فروخت کرنے یا خریدنے کا یک طرفہ وعدہ کرتا ہے جس کی پاسداری وعدہ کرنے والے فریق پر لازم ہوتی ہے۔مثلاً بینک اپنے حصے کے دس یونٹس بنا دیتا ہے اور صارف یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ ایک متعیّن مدّت مثلاً ہر ۲ ماہ بعد ایک ایک کر کے بینک سے سارے اجزاء خرید لے گا۔چونکہ یہ معاملہ شرکتِ مِلک کا ہے۔اس لیے پہلے سے یونٹس کی قیمت طے کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ صارف ہر یونٹ اِس خاص قیمت پر خریدے گا۔بینک اپنے مفاد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صارف کی مالی حالت دیکھ کر اُس سے اضافی ضمانت کا مطالبہ بھی کرسکتا ہے۔

اگر یہی مشارکہ متناقصہ شرکتِ عقد کی بنا پر کیا گیا ہو تو اجارہ پر مکان لینے والا شریک (صارف) اپنے دوسرے شریک (بینک) سے مکان تدریجاً خریدنے کا وعدہ کرسکتا ہے لیکن یہ معاملہ یا تو اس وقت کی بازاری قیمت پر یا دونوں کے

مابین باہمی رضامندی سے طے ہونے والی قیمت پر ہوگا۔شریکین کے لیے یہ طے کرنا جائز نہیں کہ ملکیتی یونٹ پہلے سے طے کردہ قیمت پر یا ان کی پرانی قیمت پر خریدے جائیں گے۔کیونکہ اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ ایک شریک دوسرے شریک کو اُس کے حصے کی مکمل گارنٹی دے رہا ہے۔جو کہ شرکتِ عقد میں جائز نہیں ہے۔ المعاییر الشرعیہ (۲۷) میں ہے:"باہم شریک پارٹیوں میں سے کسی ایک کا یہ عہد کرنا جائز ہے کہ عرصہ شراکت کے دوران یا شراکت کے اختتام پر وہ شرکت کا اثاثہ مارکیٹ میں اُس وقت کی رائج قیمت پر یا باہم رضامندی سے طے شدہ قیمت پر خرید لے گا۔لیکن پرانی (پہلی) قیمت پر خریدنے کا وعدہ کرنا جائز نہیں"۔(۲۸)

۴۔ صارف (Client) جب بھی ایک جُز (Unit) خریدتا ہے تو بینک کی ملکیت کا ایک جُز کم ہو جاتا ہے اور صارف (Client) کی ملکیت میں ایک جز کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اُس جُز کا کرایہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔کیونکہ وہ جُز اب اسلامی بینک کی ملکیت سے نکل کر کلائنٹ کی ملکیت میں چلا گیا۔

۵۔ حتّٰی کہ صارف (Client) جب سارے اجزاء خرید لیتا ہے تو وہ مکان اُس کی ملکیت میں آجاتا ہے۔اس طرح اجارہ اور مشارکہ کا عقد بھی بتدریج ختم ہو جاتا ہے۔

۶۔ عقد کے وقت معاہدے میں یہ بات شامل کر لی جاتی ہے کہ اگر کلائنٹ اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کر سکا تو وہ ایک مخصوص رقم خیراتی فنڈ (Charity fund) میں چندے کے طور پر ادا کرے گا۔اس کے لیے بینک میں ایک خیراتی اکاؤنٹ (Charity acccount) قائم کیا جاتا ہے۔یہ رقم بینک کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ کسی مدرسے یا خیراتی ادارے یا تعلیم اداروں میں ضرورت مند طلباء کو علمی وظائف کی صورت میں دی جاتی ہے۔اس سلسلے میں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ خیراتی فنڈ (Charity fund) بینک کی بجائے کسی تیسرے ادارے کی تحویل میں ہو کیونکہ بینک کے پاس خیراتی فنڈ (Charity fund) ہونے کی صورت میں یہ خرابی ممکن ہے کہ بینک اپنے ہی ملازمین کو حاجت مند اور مجبور ظاہر کر کے اُنہی میں خیرات تقسیم کر دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی بینک ایک ایسا مالیاتی ادارہ ہے کہ اندرونی و بیرونی مالیاتی ماہرین (Auditors) اور شرعی ایڈوائزر جس کے سارے مالیاتی امور کی سالانہ چھان بین کرتے ہیں۔اس طرح کسی بھی اسلامی بینک کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

شرکتِ عقد کی بنیاد پر مشارکہ متناقصہ عمل:

شرکتِ عقد کی بنیاد پر مشارکہ متناقصہ کاروبار، تجارت اور دیگر امور کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔مشارکہ متناقصہ کاروبار یا تجارت میں مندرجہ ذیل طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ بینک اور کلائنٹ باہم مل کر ۷۰:۳۰ کی نسبت سے ایک مشترکہ کاروبار شروع کرتے ہیں مثلاً گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار۔

۲۔ کلائنٹ، بینک کے کاروبار کے حصے کو بتدریج خریدنے کا وعدہ کرتا ہے۔جدہ میں قائم او۔آئی۔سی اسلامک فقہ

اکیڈمی کی قرارداد نمبر ۲ اور اسلامی ترقیاتی بینک کے تحقیقاتی ادارے (IRTI) کی تحقیق کے مطابق شرکاء میں سے فروخت کا وعدہ صرف سرمایہ فراہم کرنے والے شریک (بینک) کے لیے لازم قرار دیا جا سکتا ہے۔(۲۹) اور اس وعدے کی پاسداری صرف واعد (بینک) پر لازم ہوگی اور عدالت اُسے ایفائے وعدہ پر مجبور بھی کر سکتی ہے۔

۳۔ بینک اپنے حصے کے کاروبار کو مختلف یونٹس میں تقسیم کر دیتا ہے۔لیکن بخلاف شرکت الملک ،شرکتِ عقد میں یونٹ کی قیمت پہلے سے طے نہیں کی جاتی بلکہ یونٹ کی قیمت فروخت کے وقت مارکیٹ کے حساب سے طے کی جاتی ہے جو کہ کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی جس کے نتیجے میں فروخت کنندہ کو نقصان بھی ہو سکتا ہے اور نفع بھی۔شرکت عقد میں ہر شریک کے لیے نقصان کا خطرہ برداشت کرنا لازم ہوتا ہے۔لیکن اگر یونٹس کی قیمت پہلے سے طے کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک شریک (خریدار) نے دوسرے شریک (فروخت کنندہ) کو اُس کے اصل سرمائے کی نفع کے ساتھ یا نفع کے بغیر واپسی کی گارنٹی دی ہے جو کہ ناجائز ہے۔لہٰذا کلائنٹ اور بینک کے لیے لازم ہے کہ وہ یونٹ کی خریداری کے وقت مکمل کاروبار کی قیمت لگائیں اور اس کی بنیاد پر یونٹس کی خرید وفروخت کی جائے۔اگر کاروبار کی قیمت زیادہ ہوگی تو یونٹ کی قیمت بھی زیادہ ہوگی اور اگر کاروبار کی قیمت کم ہوگی تو یونٹس کی قیمت بھی کم ہوگی۔رہی بات کہ کاروبار کی قیمت کا تعین کون کرے گا؟ تو اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ آج ایسے مالیاتی ماہرین کی کمی نہیں ہے جو یہ کام سرانجام نہ دیں سکیں۔اور ان ماہرین کا ذکر وعدے کی دستاویز پر دستخط کرتے وقت بھی کیا جا سکتا ہے تاکہ بعد میں اس حوالے سے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔اس طرح کلائنٹ تدریجاً سارے کاروبار کو خرید لے گا اور پورے کاروبار کا مالک بن جائے گا جبکہ بینک اپنا سرمایہ منافع کے ساتھ کما لے گا۔

عصرِ حاضر میں مختلف مشنری، اثاثہ جات اور منصوبہ جات شرکتِ ملک اور شرکتِ عقد کی بنیاد پر مشارکہ متناقصہ کے ذریعے خریدے جاتے ہیں۔مشارکہ متناقصہ کو مشارکہ منتهیه بالتملیک بھی کہتے ہیں۔اگر بینک کا اعتبار کیا جائے تو یہ مشارکہ متناقصہ کہلاتا ہے کیونکہ اس میں بینک کا حصہ بتدریج کم ہوتا رہتا ہے اور اگر کلائنٹ کا اعتبار کیا جائے تو یہ مشارکہ منتهیه بالتملیک ہے۔کیونکہ اس میں کلائنٹ تدریجاً مکان کا مالک بن جاتا ہے۔جب مکان کلائنٹ کی ملکیت میں آجاتا ہے تو بینک کے ساتھ اس کا مشارکہ کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔(۳۰)

مشارکہ سے متعلق فقہی اشکالات کا تحلیلی جائزہ

پہلا اشکال: کیا اسلامی بینک اپنا حصہ کلائنٹ کو اجارہ پر دینے کا معاملہ کر سکتا ہے؟

جواب: فقہی ابواب میں مسئولہ صورت کا تعلق شرکت المشاع سے ہے۔شرکت المشاع کا مطلب ہے دو یا زیادہ شرکاء کا غیر منقسم چیز میں اشتراک۔لہٰذا مسئولہ صورت کو شرکت الملک علی المشاع بھی کہا جا سکتا ہے۔یعنی غیر منقسم چیز (مکان) میں شرکت الملک۔تمام فقہاء اربعہؒ اور صاحبینؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شریک اپنا مشاع (غیر منقسم) حصہ کسی دوسرے شریک کو اجارہ پر دینا یا بیع مؤجل (ادھار فروخت) کی بنا پر فروخت کرنا چاہے تو اُس کے لیے ایسا کرنا

جائز ہے۔صاحبِ ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشاع چیز کا اجارہ جائز نہیں ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے''۔(۳۱) البتہ شرکاء کے علاوہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ یہ معاملہ کرنے پر فقہاء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ تیسرے فریق کے ساتھ اس معاملے کو جائز تصور کرتے ہیں۔لیکن امام اعظمؒ اور امام زفرؒ تیسرے فریق کے ساتھ اس معاملے کی اجازت نہیں دیتے۔(۳۲)

دوسرا اشکال: اگر زمین کلائنٹ کی ہو اور بینک نے بیع اور واپسی اجارہ (Sale and Lease back) کا معاملہ کیا ہو تو ایسی صورت میں کلائنٹ کی طرف سے بینک کے یونٹس خریدنے پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر کلائنٹ اپنی زمین اسلامی بینک کو فروخت کرنے کے بعد پھر خود خریدنے کا وعدہ کرتا ہے تو اس سے بیع عینہ لازم آتی ہے۔

اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو المعاییر الشرعیہ میں دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بیع اور واپسی اجارہ کا معاملہ ہو جس میں اسلامی بینک صارف سے اثاثہ خریدتا ہے اور پھر اجارہ منتہیہ بالتملیک کی بنیاد پر وہی اثاثہ اُسی صارف کو ہی اجارہ پر دے دیتا ہے تو اس صورت میں اجارہ اور ملکیتی حقوق کی صارف کی طرف منتقلی (بذریعہ مرابحہ مؤجّلہ) کے درمیان اتنی مدت کا وقفہ ضرور ہونا چاہیے کہ جس میں اُس اثاثے کی قیمت تبدیل ہو جائے۔ایک سال کا عرصہ اس مقصد کے لیے عام طور پر تجویز کیا جاتا ہے۔بیع عینہ سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔(۳۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب صارف بینک کے یونٹ خریدتا ہے تو اُس وقت اُس زمین کی حالت بدل چکی ہوتی ہے۔اور یہ فقہ کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب شئی کی حالت بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے (۳۴)۔کیونکہ اب وہ صرف زمین ہی نہیں بلکہ ایک مکان بن چکا ہوتا ہے، لہٰذا کلائنٹ کے اُس مکان کو خریدنے سے بیع عینہ کی خرابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرا اشکال: اگر مشارکہ متناقصہ کے معاملہ کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس میں تین عقود مشارکہ، عقد اِجارہ اور عقد بیع ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔حالانکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: ''حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے کو ناجائز کہا ہے''۔(۳۵) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک عقد میں دو معاملات کرنا جائز نہیں۔

جواب: اس حدیث مبارکہ میں اجتماع العقود سے منع نہیں کیا گیا کہ ایک ہی وقت میں دو یا زیادہ عقود ایک ساتھ نہ کیے جا سکیں۔بلکہ اس حدیث مبارکہ میں اشتراط عقد فی عقد سے منع کیا گیا ہے۔یعنی دو یا زیادہ عقود آپس میں اس طرح مشروط نہ ہوں کہ ایک عقد کے نہ ہونے سے دوسرا عقد بھی منسوخ ہو جائے۔جبکہ مشارکہ متناقصہ میں مشارکہ، اجارہ اور عقد بیع ایک دوسرے کے ساتھ اِس طرح مشروط نہیں ہوتے کہ کسی ایک عقد کے نہ ہونے سے دوسرے عقود بھی ختم ہو جائیں۔مشارکہ متناقصہ میں ہر عقد دوسرے عقد سے اس طرح الگ ہوتا ہے کہ ایک عقد کے نہ ہونے سے دوسرے عقود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔یعنی اگر کسی وجہ سے کسٹمر گھر کے یونٹس نہیں خریدتا تو مشارکہ اور اجارہ کے عقود اُسی طرح جاری رہتے ہیں۔البتہ صورت حال اُس وقت پیچیدہ ہو جاتی ہے اگر تینوں عقود پہلے سے ہی اکٹھے طے کر لیے جائیں۔کیونکہ اس طرح عقود کا ایک

دوسرے میں داخل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جو کہ نا جائز ہے۔حتیٰ کہ حنبلی فقہاء بھی ، جو عقدِ بیع میں کئی ایک شرائط لگانے کو بھی جائز مانتے ہیں، ایسے معاہدے کو نا جائز قرار دیتے ہیں۔شرط فاسد کے متعلق بحث کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:''فریقین میں سے کسی ایک شریک کا اپنے ساتھی پر دوسرے عقد کی شرط لگانا بیع کو باطل کر دیتا ہے جیسے قرض،ادھار، بیع ،اجارہ وغیرہ کی شرط اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ صرف شرط ہی باطل ہو۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک سودے میں دوسودے کرنا سود ہے اور یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ،امام شافعیؒ اور جمہور علماء کا قول ہے۔اور امام مالکؒ ایسے عقد کو جائز کہتے ہیں لیکن شرط میں مذکور معاوضے کو فاسد قرار دیتے ہیں''۔(۳۶)

اشتراط عقد فی عقد کی اس صورت سے بچنے کے لیے اسلامی بینک اپنے کسٹمر کے ساتھ اجارہ کا عقد کرنے کے بعد اُس سے مستقبل کے لیے عقدِ بیع (مرابحہ مؤجّلہ) کا صرف یک طرفہ وعدہ لے لیتا ہے تا کہ متعاقدین کے درمیان اجارہ اور بیع کے عقود الگ الگ مستقل بنیادوں پر منعقد ہوں اور پھر ہر عقد اپنے وقت مقرّرہ پر کسی شرط کے بغیر طے پائے۔اور اِس طرح ''صفقتان فی صفقة ''(۳۷) کا اعترض بھی لازم نہیں آتا یہ اعتراض اُس وقت لازم آتا اگر مستقبل کے لیے عقدِ بیع (مرابحہ مؤجّلہ) کا وعدہ دوطرفہ ہوتا کیوں کہ دوطرفہ وعدہ ایک عقد بنتا ہے لیکن یک طرفہ وعدہ عقد نہیں بنتا جیسا کہ مولانا احمد رضا خانؒ فاضل بریلی نے ایک مسئلہ کے جواب میں فرمایا کہ (یک طرفہ)وعدہ عقد نہیں بنتا۔(۳۸) نیز مذکورہ بالا دونوں (شرکت اور اجارہ) یا تینوں (شرکت،اجارہ اور بیع) ذیلی عقود فقہاء کی نظر میں بھی جائز ہیں۔خصوصاً جب یہ عقود شرکاء کے مابین ہی ہو رہے ہوں۔الغرض مشارکہ متناقصہ میں یہ تینوں عقود شرکاء کے مابین اور الگ الگ بنیادوں پر ہی ہوتے ہیں جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔نیز مشارکہ متناقصہ سے متعلق مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد میں یہ طے کیا جا چکا ہے کہ یہ عقود ایک ہی عقد میں جمع نہیں کیے جائیں گے:''اسلامی مالیاتی ادارے اور اُس کے شریک (کلائنٹ) کے لیے جائز ہی نہیں ہے کہ وہ ابتداءً ایک ہی عقد میں مشارکہ اور بیع کے عقود پر اتفاق کریں۔بلکہ یہ دونوں عقد (مشارکہ اور بیع) الگ الگ بنیادوں پر طے کیے جائیں''۔(۳۹)

چوتھا اشکال: کیا کسی عقد کے وقت یا اس سے قبل مستقبل میں کسی نئے عقد کا وعدہ یا عہد کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز کیا وہ وعدہ قضاء لازم ہوگا؟

جواب: بنیادی طور پر وعدے کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے: الوعد بالمعروف اور الوعد التّجاری (المواعدہ)۔ الوعد بالمعروف سے مراد روزمرہ زندگی میں کیے جانے والے وعدے ہیں۔جبکہ الوعد التّجاری سے مراد تجارتی معلات میں کیے جانے والے وعدے ہیں۔ مالکی فقہاء نے دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے الوعد التّجاری کو المواعدہ کا نام دیا ہے۔چونکہ اشکال کا تعلق المواعدہ سے ہے۔اس لیے اس جگہ صرف اسی سے متعلق مختصراً فقہاء کی آراء پر اکتفاء کرتے ہیں۔

پہلی رائے: تجارتی عقود میں طرفین پر ایفائے عہد قضاءً اور دیانةً لازم ہوتا ہے۔اس قول کو عصر حاضر کے فقہاء میں سے ڈاکٹر سامی محمود اور علامہ یوسف القرضاوی نے اختیا کیا ہے۔

دوسری رائے: تجارتی عقود میں طرفین پر ایفائے عہد لازم نہیں ہوتا۔اس قول کو عصر حاضر کے اکثر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔(۴۰)

تیسری رائے: تجارتی عقود میں فریقین پر وعدۂ وفا صرف دیانۃً لازم آتا ہے۔متقدمین احناف کا یہی مسلک ہے۔مولانا احمد رضا خانؒ بھی اسی موقف کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وعدہ عقد نہیں بنتا اور نہ ہی وعدہ کرنے والے پر وفائے وعدکے لیے جبر کیا جاسکتا ہے کما نص فی الهندیه اوالخیریه''۔(۴۱) اور اگر وعدہ یک طرفہ ہوتو ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اسی قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مشارکہ متناقصہ میں بینک کا اپنے صارف سے یہ وعدہ کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے کہ بینک اپنا حصہ کلائنٹ کو مارکیٹ میں رائج قیمت پر دے گا۔یہ ایک اخلاقی وعدہ ہے جو صرف ایک جانب (بینک) سے ہے اور یہ نہ تو شریعت کے منافی ہے اور نہ ہی مقصود کے۔جہاں تک مواعدہ کی بات ہے (جس میں وعدہ طرفین سے ہوتا ہے) جو طرفین پر لازم ہوتا ہے، تو وہ ایسے عقد کے مشابہ ہوجاتا جس سے ''عقدین فی عقد'' لازم آتا ہے۔جو کہ ممنوع ہے۔۔۔ایک جانب سے کیا گیا وعدہ دیانۃً لازم آتا ہے۔وعدہ خلافی حرام ہے کیونکہ یہ کذب اور نفاق کی علامت ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (پورا کرو اپنے عہدوں کو) المائدہ:۱، یہ متفق علیہ ہے۔جہاں تک قضاءً لزومِ وعد کا تعلق ہے تو جمہور علماء اِس کے قائل نہیں ہیں''۔(۴۲)

چوتھی رائے: لیکن متاخرین فقہاء حنفیہ نے دو صورتوں میں وعدے کو قضاء لازم کرنے کا فتوی دیا ہے۔ایک جب وعدہ مجرّد ہونے کی بجائے کسی شرط پر معلّق ہو۔جیسے علامہ حیدر آفندی لکھتے ہیں: ''وعدے معلّق ہونے کی صورت میں لازم متصور ہوتے ہیں کیونکہ اس سے التزام اور ذمہ داری معنیً ثابت ہوتا ہے''۔(۴۳) دوسری صورت حاجت کی ہے جیسے علامہ ابن عابدین شامیؒ جامع الفصولین کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''وعدے بعض اوقات لوگوں کی حاجت کی بدولت (قضاء) لازم ہوجاتے ہیں''۔(۴۴) اسی طرح علامہ خالد الاتاسیؒ نے بیع بالوفاء کی بحث میں فتاویٰ خانیہ کی یہ عبارت ذکر کی ہے۔

''اگر بیع غیر مشروط طور پر کی جائے اور شرط کا ذکر صرف وعدے کے طور پر کیا جائے تو ایسی صورت میں بیع جائز ہوگی۔اور اس وعدے کا پورا کرنا لازم ہوگا۔کیونکہ وعدے کبھی لازم ہوتے ہیں۔اس لیے لوگوں کی حاجت کے پیشِ نظر اس وعدے کو لازم کیا جائیگا''۔(۴۵)

علامہ حیدر آفندی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شرط فاسد جو عقد طے پانے کے بعد وعدے کے طور پر مشروط کی جائے وہ اس طے پانے والے عقد کو فاسد نہیں کرتی۔اور اس وعدے کا پورا کرنا بھی واجب ہوجاتا ہے۔کیونکہ وعدوں کی تکمیل لوگوں کی حاجت کے پیش نظر واجب ہوجاتی ہے۔اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اگر فریقین نے عقد طے کرنے کے دوران شرط فاسد کا ذکر نہ کیا ہو بلکہ عقد طے کرنے کے بعد وعدے کے طور پر اُس شرط فاسد کا ذکر کردیا ہو تو اس سے عقد بیع میں خلل واقع نہیں ہوگا اور وعدے کا پورا کرنا بھی واجب ہوگا۔(۴۶)

پانچویں رائے: مالکیہ کے مطابق عام طور پر وعدے کو پورا کرنا قضاء لازم نہیں ہوتا۔لیکن اگر وعدہ کرنے والے کی وجہ

سے دوسرے شخص کو کسی قسم کا مالی بوجھ برداشت کرنا پڑ رہا ہو تو اُس وقت واعد کو عدالت کے ذریعے تکمیل وعدہ پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔(۴۷) مجمع الفقہی الاسلامی، جدہ کی قرارداد بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

> ''وعدہ کرنے والے پر وعدے (کا پورا کرنا) دیانۃً لازم ہوتا ہے۔لیکن عذر شرعی کی صورت میں (وعدے کا پورا کرنا دیانۃً بھی لازم نہیں ہوتا)۔جب وعدہ کسی سبب پر معلّق ہو تو (سبب کے پائے جانے کی صورت میں) وعدے کا پورا کرنا قضاء لازم ہوگا۔موعود (جس سے وعدہ کیا گیا) اگر اُس وعدے کی بنیاد پر کسی کام کو شروع کرتا ہے (یعنی کلفت میں پڑتا ہے) تو اس صورت میں وعدے کا لزوم (قضاء) ہوگا۔ واعد یا تو وعدے کو پورا کرے یا پھر بلا عذرِ شرعی وعدہ خلافی کی وجہ سے (موعود کے) حقیقی نقصان کا عوض ادا کرے''۔(۴۸)

اس قرارداد کی وضاحت یہ ہے کہ اگر زید بکر کو کسی مال کا آرڈر دیتا ہے اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب بکر وہ مال لے آئے گا یا تیار کرلے گا تو زید اس سے وہ مال خرید لے گا اور بکر وہ مال منگوا لیتا ہے یا تیار کرلیتا ہے پھر زید کسی شرعی عذر کے بغیر اپنا وعدہ پورا کرنے سے انکار کردیتا ہے تو زید پر ایفائے وعد قضاءً لازم ہوگی یعنی زید یا تو وعدے کے مطابق وہ مال بکر سے خریدے یا پھر وعدہ خلافی کی وجہ سے بکر کا جو حقیقی نقصان ہوا ہے اُسے پورا کرے۔حقیقی نقصان سے مُراد یہ ہے کہ زید کے انکار کی وجہ سے اگر اُس مال کو مارکیٹ میں فروخت کرنا پڑے اور اُس سے اصلی لاگت بھی وصول نہ ہوسکے تو لاگت میں یہ کمی حقیقی نقصان کہلاتی ہے۔

مختصر یہ کہ لوگوں کی حاجت کے پیشِ نظر وعدے کو قضاء لازم کیا جا سکتا ہے۔موجودہ زمانے میں تجارتی معاملات میں یک طرفہ وعدے کا قضاء لازم ہونا ایک حاجت بن چکا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو شاید لوگوں کا ایک دوسرے پر سے اعتبار ہی اٹھ جائے اور تجارتی معاملات کسی بڑی حرج سے دوچار ہو جائیں۔اس لیے یہ کہنا درست ہوگا اسلامی بینک اور صارف کے مابین مستقبل میں مرابحہ مؤجلہ کی بنیاد پر یونٹس فروخت کرنے یا خریدنے کا یک طرفہ وعدہ قضاء لازم ہوگا۔اگر صارف نے وعدہ کیا ہوگا کہ وہ مستقبل میں بینک سے مکان خرید لے گا لیکن صارف وعدہ خلافی کرتے ہوئے مکان خریدنے سے انکار کردیتا ہے تو اس صورت میں بینک کسی اور کو یہ مکان فروخت کرنا پڑے گا۔اگر اس صورت میں بینک کو مکان کی اصلی لاگت بھی وصول نہیں ہو پاتی تو اصلی لاگت میں یہ نقصان صارف پورا کرے گا کیونکہ اسلامی بینک کو یہ نقصان اُسی کی وجہ سے اُٹھانا پڑا۔

پانچواں اشکال: مشارکہ کی بنیادی شرائط میں سے ہے کہ عقد کے وقت متعاقدین کے لیے نفع کی شرح کا تعین کرنا لازمی ہے۔لیکن مشارکہ متناقصہ میں تو تعیین نہیں کی جاتی نیز صرف بینک ہی کرائے کی صورت میں نفع لے جاتا ہے جبکہ دوسرے شریک (صارف) کو کچھ نہیں ملتا۔

جواب: مشارکہ متناقصہ شرکتِ عقد اور شرکتِ ملک دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔مشارکہ متناقصہ کی مذکورہ صورت شرکتِ ملک سے متعلق ہے۔جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شرکتِ ملک میں جب نفع شرکاء کے حصص کے تناسب سے

تقسیم کیا جاتا ہے تو اس میں عقد کے وقت نفع کی شرح متعین نہ کرنے سے کوئی خرابی یا نزاع لازم نہیں آتا۔ جہاں تک بات ہے کہ اس سارے معاملے میں صارف کا نفع کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشارکہ متناقصہ میں اسلامی بینک اپنا حصہ صارف کو اجارہ پر دیتا ہے اور صارف صرف اُسی حصے کا کرایہ ادا کرے گا جو اسلامی بینک کی ملکیت میں ہے اور جس حصے کا صارف خود مالک ہے وہ اُس کا کرایہ ادا نہیں کرے گا اور یہی اُس کا نفع ہے۔ صارف اور بینک اپنے ملکیتی تناسب سے اپنے حصص سے متعلق اخراجات اور واجبات برداشت کریں گے۔

چھٹا اشکال: اسلامی بینک کے ساتھ عقد کے وقت معاہدے میں یہ بات شامل کر لی جاتی ہے کہ اگر کلائنٹ اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کر سکا تو وہ ایک مخصوص رقم خیراتی فنڈ (Charity fund) میں چندے کے طور پر ادا کرے گا۔ جو کہ درحقیقت ایک جرمانہ ہے۔ کیا شرع میں تعزیر بالمال جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء اربعہ اور شوکانیؒ کے نزدیک تعزیر بالمال ناجائز ہے۔ لیکن اسحٰق بن راہویہؒ، امام اُوزاعیؒ، احناف سے امام ابو یوسفؒ، مالکیہ میں سے ابن فرحونؒ متاخرین حنابلہ میں سے ابن تیمیہ اور ابن قیّم تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''مالی سزا (ابتداء) اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ کر دی گئی''۔(۴۹) علامہ القرافی المالکیؒ کہتے ہیں کہ تعزیر بالمال کی سزا کے نسخ کا قول غلط ہے کیونکہ خلفاء راشدین کا اس پر تعامل رہا ہے۔ اسی لیے فقہا اس کے نسخ کو درست نہیں گردانتے۔(۵۰) امام عبدالعزیز بخاری نے اپنی کشف الاسرار میں اسی کی تائید کی ہے۔(۵۱) فقہا نے اتلاف بالمال کے ذریعے تعزیر بالمال کی مثالیں بھی پیش کی ہیں جیسے حضرت عمرؓ نے دودھ میں پانی ملانے والے کے سارے دودھ کو تعزیراً تلف کر دیا۔(۵۲) اس کے ساتھ ہی حرمانِ ملکیت کے مسئلے سے بھی تعزیر بالمال کے معنی کی نشاندہی کی جاتی ہے کہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے باغ سے چوری پھل توڑنے والے کی سزا کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" جس نے باغ میں (پھل) کھالیا اور اسے جھولی میں ڈال کر نہ لے گیا تو اس پر کچھ (تاوان) نہیں۔ اور جو اُٹھا کر ساتھ لے گیا تو اُس پر اس (پھل کی) دوگنا قیمت لازم ہوگی، اسے پیٹا جائے گا اور دوسروں کے لیے عبرت بنایا جائے گا اور جس (پھل) سے اس نے ٹوکرے بھر لیے، اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو (حد سرقہ لازم کرتے ہوئے) اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔(۵۳) اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ متاثرہ شخص کا نقصان تو برابر تاوان سے بھی پورا کیا جا سکتا تھا تو پھر دوگنا جرمانہ کیوں؟ تو اُس کا ایک ہی جواب بنتا ہے کہ مجرم کو اس کے جرم کی سنگینی کا احساس بھی ہو۔ مقاصد شرعیہ کے پیش نظر ایک فریق کے مال کو باطل طریقے سے کھانے کی اجازت نہیں ہے اسی لیے مالی جرمانے کو ناجائز کہا جاتا ہے تو یہی مقصد شرعی دوسرے فریق کے لیے بھی تو متحقق ہوتا ہے کہ اگر فریق اول کی کسی بھی حرکت کی وجہ سے فریق ثانی کی حق تلفی یا نقصان ہو تو وہ اُسے پورا کرے یا جان بوجھ کر اُس کے حق کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کی صورت میں کم سے کم فریق اول پر مالی جرمانے کی سزا کا خوف ہی ہوتا کہ وہ فریق ثانی کے حق کی ادائیگی میں جلدی کرے۔

بعض مالکی فقہا کے نزدیک التزام بالتصدق کی صورت میں صدقہ ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔اس بارے میں علامہ الحطاب لکھتے ہیں: اگر مدعا علیہ مدعی پر یہ بات لازم کردے کہ اگر اُس نے اُس کا حق فلاں وقت تک ادا نہ کیا تو وہ اس کے بدلے میں اتنی رقم ادا کرے گا تو اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ واضح سود ہے۔۔۔البتہ اگر یہ بات لازم کی کہ مقررہ وقت پر حق نہ دینے کی صورت میں کسی دوسرے کو اتنی رقم دے گا یا مساکین پر صدقہ کرے گا تو اس بارے میں اختلاف ہے۔مشہور یہی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا،لیکن ابن دینار کہتے ہیں وہ ادا کرے گا۔(۵۴) مجمع الفقہ الاسلامی کے فقہا نے اس بارے میں مالکی موقف کو اپناتے ہوئے اجازت دی ہے کہ اسلامی بینک اپنے معاملات میں صارف سے اجباری صدقے کا التزام کرواسکتے ہیں۔اسلامی بینکوں کے شرعی ایڈوائزر کہتے ہیں کہ اجباری صدقہ (تعزیر بالمال) کا یہ اقدام اسی حاجت کی بنا پر کیا جاتا ہے کیونکہ اگر اجباری صدقے کا خوف نہ ہو تو شاید اسلامی بینک کو کبھی پیسہ وصول ہی نہ ہو۔نیز تعزیر بالمال پر امت مسلمہ کی ایک بڑی اکثریت کا تعامل بھی ہے اور معاملات میں یہ ایک عرف کی حیثیت اختیار کرنے ساتھ ساتھ ایک حاجت بھی بن چکا ہے۔لیکن تاحال یہ مسئلہ قابل غور ہے۔کیونکہ جمہور فقہاء تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہی فتویٰ دیتے ہیں۔

نتیجہ بحث

اسلامی بینکاری میں شرکت کے تصور کو کافی حد تک شرکت کے شرعی تصور اور بنیادی اصولوں پر ہی چلایا جا رہا ہے،اسلامی بینک کے معاملات کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ قاری کے ذہن میں وہ اصول وضوابط رہیں جن کی بنیاد پر اس مقالے میں چند اشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ قاری کے لیے دیگر معاملات کی تفہیم آسان ہو جائے۔اس مقالہ میں صرف مشارکہ متناقصہ کی حد تک ہی اشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ورنہ اسلامی بینک شرکت کی بنیاد پر رننگ مشارکہ کے ذریعے بھی تمویلی سہولت فراہم کر رہے ہیں لیکن اس مقالہ میں اس سے متعلق اشکالات سے بحث نہیں کی گئی۔تجارتی وصنعتی انقلاب کی بدولت اقتصادی ایجادات روز بروز جس طرح منظر عام پر آرہی ہیں اُسی طرح اُن سے متعلقہ شرعی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ بہت سی چیزیں انسانی حاجات کی فہرست میں شامل ہو چکی ہیں۔جن کو پورا کرنے کے لیے جدید مالیاتی ادارے نت نئی خدمات مہیا کر رہے ہیں۔ ماضی میں متموّل لوگ انفرادی طور پر لوگوں کی حاجت روی قرض حسن یا صدقات وخیرات کی صورت میں کر دیا کرتے تھے۔اُس زمانے میں مالیاتی ادارے نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو اِس طرح فعّال نہیں تھے جس طرح کہ آج ہیں۔اب یہ ممکن نہیں کہ جدید اقتصادی امور کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہونے سے روکا جائے یا اِن پیچیدگیوں سے پیدا ہونے والے مسائل سے یکسر صرفِ نظر کر لیا جائے۔جہاں قرآن وسنت زندگی سے متعلق احکام کا ایک انسائیکلو پیڈیا فراہم کرتا ہے وہیں رُخصت و اباحت کے شرعی ضابطے بھی فراہم کرتا ہے۔لہٰذا موجودہ دور اپنی حاجیات کی حلّت وحرمت کے متعلق جیّد مفتیانِ عظام اور اصولیّین کی طرف دیکھ رہا ہے کہ وہ نبّاض عصر ہونے کی حیثیت سے جدید اقتصادی امور کے بدلتے ہوئے عُرف،عموم بلویٰ،حاجیات وضروریات کے پیش نظر کوئی حل تجویز کریں تاکہ

دُنیا میں زندگی شریعت مطہرہ کے اصولوں پر گزاری جا سکے۔اسلامی بینکاری میں مشارکہ کا تصور بھی اپنی نوعیت کا ایک ایسا تصور ہے جو علما نے عوامی حاجات کو مدنظر رکھتے ہو تجویز کیا اور اس کے لیے باقاعدہ اصول وضوابط مقرر کیے۔

مراجع وحواشی

۱۔ بنوری،محمّد یوسف،مروجہ اسلامی بینکاری تجزیاتی مطالعہ،شرعی جائزہ،فقہی نقد وتبصرہ،(کراچی: جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن)،ص ۱۹۱

۲۔ الزیلعی،عثمان بن علی الحنفیؒ،تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق،(بیروت: دار الکتب العلمیہ)،۴: ۲۳۴

۳۔ ابن عابدین،محمد امینؒ،رد المختار،۱۹۹۲ء،(بیروت: دار الفکر)،۴: ۲۹۹

۴۔ زحیلی،ڈاکٹر وہبہ،الفقہ الاسلامی وادلتہ،(دمشق: دار الفکر)،۴: ۷۹۳

۵۔ امام ابن ہمامؒ،فتح القدیر،(کوئٹہ: المکتبہ الرشیدیہ)،۵: ۲ ۶۔ زحیلی،ایضاً،۴: ۷۹۴

۷۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ مع شرح مجلۃ الاحکام،(کوئٹہ: مکتبہ اسلامیہ)،مادہ ۱۰۷۳

۸۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ،کتاب الشرکۃ،۳: ۸۳

۹۔ المعاییر الشرعیہ،(ھیئۃ المحاسبہ و المراجعۃ للمؤسسات الاسلامیۃ،۲۰۱۰)،رقم المعیار ۱۲(الشرکۃ)، دفعہ نمبر: ۲

۱۰۔ الکاسانی،ابوبکر بن مسعود،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،(بیروت: دار الکتب العلمیہ،۱۹۸۶)،۶: ۵۶،(خلاصہ پیش کیا گیا ہے)

۱۱۔ کتاب الفقہ علی المذاھب اربعہ،(بیروت: دار الکتاب العربی)۔(کتاب الشرکۃ سے ماخوذ)

۱۲۔ الکاسانی،بدائع الصنائع،(شرائط نمبر ۱ سے نمبر ۷ کتاب الشرکۃ سے ماخوذ ہیں)

۱۳۔ فتاویٰ عالمگیری،(بیروت: دار الفکر)۲: ۳۴۰ ۱۴۔ الکاسانی،ایضاً ۱۵۔ فتاویٰ عالمگیری،ایضاً

۱۶۔ المرغینانی،برہان الدین ابوالحسن،الھدایہ،(ملتان: مکتبہ امدادیہ)۲: ۵۹۲

۱۷۔ المعاییر الشرعیہ،رقم المعیار ۱۲(الشرکۃ)، دفعہ نمبر: ۳/۱/۵/۴

۱۸۔ سعیدی،مفتی غلام رسول،مقالاتِ سعیدی،(لاہور: مطبوعہ فرید بک سٹال)،ص ۳۹۵

۱۹۔ مجلّہ مجمع الفقہ الاسلامی الدولی،قرار رقم ۳۰(۵/۴) ۲۰۔ المعاییر الشرعیہ،رقم المعیار ۱۲(الشرکۃ)، دفعہ نمبر: ۳/۱/۴/۳

۲۱۔ (http://www.startimes.com/f.aspx?t=31197617)

۲۲۔ البلتاجی،ڈاکٹر محمد، صیغ التمویل الاسلامیہ الملائمہ للاستثمار العقاری،(مقدم الی مؤتمر الاستثمار العقاری و تمویلہ فی الشرق الاوسط، ۱۶۔۱۷ دسمبر، ۲۰۰۶،جدہ، السعودیہ)،ص ۵

۲۳۔ طایل،سید مصطفیٰ کمال،البنوک الاسلامیہ: المنھج والتطبیق،(سوڈان،۱۹۸۸)،ص ۱۹۰

۲۴۔ زحیلی،ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ،المشارکہ المتناقصہ و صورھا فی ضوء ضوابط العقود المستجدہ، مجلۃ الوعی الاسلام، رقم العدد ۴۴۹،کویت

۲۵۔ الراشدی،سالم بن عقیل، المشارکہ المتناقصہ فی الفقہ الاسلامی،(رسالۃ الاسلام، ۲۰۰۸)،ص ۲

۲۶۔ ابن عابدین،ایضاً،۳: ۳۶۴۔۳۶۵

۲۷۔ اسلامی سلطنت بحرین میں ۲۶ فروری ۱۹۹۰ کو ایک ادارے ”ھیئۃ المحاسبۃ و المراجعۃ للمؤسسات المالیۃ الاسلامیہ“ کی بنیاد رکھی گئی۔مختصراً اس کو ایوفی (AAOIFI) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔لیکن انگلش میں ایوفی (AAOIFI) سے Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions) مراد ہے۔اس ادارے میں مذاہبِ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے ۲۰۰ علماء اور سکالرز ممبر ہیں جو جدید تعلیم اور تحقیق کے جدید طرق سے بہرہ ور ہیں۔جو اپنے تئیں پوری

کوشش میں لگے ہیں کہ اس سودی نظامِ معیشت کا ایسا متبادل اسلامی معاشی نظام متعارف کرایا جائے جو معیشت کے جدید ترقی یافتہ (Developed) شعبہ جات، تمویل (Finance)، المحاسبہ والمراجعہ (Accounting and Auditing)، اور بینکنگ (Banking) الغرض ہر شعبے میں واقعی ایک مکمل متبادل نظام کہلائے۔ اس ادارے کے اجلاس سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ ہوتے ہیں جن میں عصرِ حاضر کے جدید معاشی وحسابی (Accounting) مسائل کے اسلامی حل کے لیے غور و فکر کیا جاتا ہے۔ اجلاس میں تحقیقی مقالہ جات پڑھے جاتے ہیں اور ان مقالات میں پیش کردہ تعبیرات وتوجیہات پر جرح کے بعد متعلقہ معاشی وحسابی مسائل کے شرعی حل کے طور پر اتفاق رائے سے قبول یا مسترد کیا جاتا ہے۔ یہ ادارہ متفقہ طور پر پاس ہونے والے شرعی حل کو فقہی قانون کی شکل دے کر ہر سال معاشی مسائل سے متعلقہ قوانین کو المعایير الشرعيه (Sharia Standards) کے نام سے اور حسابی مسائل (Acconting) کو المعايير المحاسبيه و المراجعه (Accounting and Auditing Standards) کے نام سے شائع کرتا ہے۔

۲۸۔ المعاییر الشرعیہ، رقم المعیار ۱۲ (الشرکۃ)، دفعہ ۳/۱/۶/۲

۲۹۔ M.Ayoub,"Understanding of Islamic Finance", Ch.12, P: 440,Wiley Finance series

۳۰۔ المالقی، عائشہ، البنوك الاسلاميه: التجربة بين الفقه و القانون و التطبيق، ص ۳۷۸

۳۱۔ المرغینانی، الھدایہ، (مکتبہ شرکۃ العلمیہ) کتاب الجارہ، باب اجارۃ الفاسدہ، ۲: ۳۰۳

۳۲۔ ابن عابدین، ایضاً، ۶: ۴۵ا۔۴۶، ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی، (مکتبہ القاہرہ)، ۶: ۱۳۷

۳۳۔ المعاییر الشرعیہ، رقم المعیار ۹ (الاجارہ) ۳۴۔ ابن عابدین، ایضاً، ۱: ۴۶

۳۵۔ محمد بن عیسیٰ، ترمذی، الجامع الترمذی، ۱۹۷۵ء (مصر: مصطفیٰ البابی الحلبی)، باب ما جاء في النهى عن بيعتين في بيعة، ۳: ۵۲۵

۳۶۔ عبدالرحمٰن بن محمد، شمس الدین، الشرح الکبیر علی متن المقنع، (بیروت: دارالکتاب العربی)، ۴: ۳۵

۳۷۔ عبدالرزاق، الصنعانی، المصنّف، ۱۴۰۳ھ، (بیروت: المکتب الاسلامی)، كتاب البيوع، باب بيعتان في بيعه، رقم الحدیث ۱۴۶۳۶

۳۸۔ مولانا احمد رضا خانؒ، فتاویٰ رضویہ، (لاہور: مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)، ۵: ۹۵

۳۹۔ المشاركه المتناقصه و صورها، (مجلة مجمع الفقه الاسلامی، العدد الثالث عشر)، ۲: ۵۷۵

۴۰۔ یہ خلاصہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور ڈاکٹر سامی محمود کے مقالات سے پیش کیا گیا ہے۔ دونوں کے مقالات کا نام ایک ہے ''الوفاء بالوعد''

۴۱۔ مولانا احمد رضا خانؒ، ایضاً

۴۲۔ زحیلی، ڈاکٹر وہبہ، المشاركه المتناقصه و صورها فی ضوء ضوابط العقود المستجده، رسالۃ الاسلام ۲۰۰۸ء

۴۳۔ آفندی، علی حیدر، درر الحكام في شرح مجلة الاحكام، (دارالجیل، ۱۹۹۱)، ۱: ۶۰

۴۴۔ ابن عابدین، ایضاً ۴: ۱۳۵ ۴۵۔ الاتاسی، خالد، شرح المجلہ ۲: ۴۱۵ ۴۶۔ آفندی، ایضاً، ۱: ۸۷

۴۷۔ القرافی، شہاب الدین احمد بن ادریس، انوار البروق فی انواء الفروق، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۸۱ھ)، ۴: ۵۲

۴۸۔ مجلة مجمع الفقهی الاسلامی العدد الخامس، قرارداد نمبر ۲۔۳، ۲: ۱۵۹۹

۴۹۔ الاشقر، محمد سلیمان، بحوث فقهيه فی قضایااقتصادیه معاصره، (دار النفائس للنشر والتوزیع، ۱۹۹۸)، ۱: ۳۳۸۔۳۳۴

۵۰۔ القرافی، ایضاً، ج ۴، ص ۲۰۷

۵۱۔ عبدالعزیز بن احمد، بخاری، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، دارالکتاب اسلامی، ج ۴، ص ۱۴۸

۵۲۔ ابن تیمیہ، امام تقی الدین، الحسبه فی الاسلام، (بیروت: دارالکتب العلمیہ)، ص ۵۲

۵۳۔ امام احمد بن حنبلؒ، مسند احمد بن حنبل، (مصر: دارالمعارف، ۱۹۵۱)، حدیث نمبر: ۶۶۸۳، ۹: ۲۱۲

۵۴۔ الحطاب، ابوعبداللہ المالکی، تحریر الكلام فی مسائل الالتزام، (لبنان: دارالغرب الاسلامی)، ص ۱۶۳